غلام اکبر متعلم ایف۔ اے۔ کراچی

تہذیب و ثقافت

کے نام پر اسلامی تاریخ سے

شرمناک مذاق

"پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء" نامی کتاب کی شرانگیزی

بندہ ایف۔ اے سال دوم کا طالب علم ہے۔ الحق نے مجھے بہت کچھ دیا اور دینی حمیت کو بیدار کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ کالج کی لائبریری میں اس قسم کے رسالوں کا داخلہ ممنوع ہی سمجھئے، البتہ اس کے برعکس لادینی اور اشتراکی نظریات پھیلانے والے اور مغرب کی رغبت دلانے والے کئی قسم کے رسالے اور اخبار بہ افراط دستیاب ہیں۔ لیکن ان رسالوں کو تو چھوڑیئے، اب تو باقاعدہ ایسی کتابیں کالج کی لائبریریوں کی زینت بننے لگی ہیں، جن میں تہذیب و ثقافت کے پردہ میں تاریخ اسلام کی عظیم ہستیوں کو تنگ نظر شرانگیز کہا گیا۔ اور ان کی دینی خدمات اور احیائے اسلام کی کوششوں کو ان کی لالچ یا اپنی سیاسی بالادستی حاصل کرنے پر محمول کیا گیا ہے۔

حال ہی میں ایک کتاب کالج کی لائبریری میں نمایاں مقام پر رکھی ہوئی دیکھی، کتاب کا نام ہے: "پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء" مصنف کا نام سبط حسن ہے۔ کتاب پر لکھا ہوا ہے: "یہ طالب علموں کے مطالعہ کے لئے ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں خالص مغربیت اور مستشرقانہ نقطۂ نظر سے تاریخ پاک و ہند کی ممتاز ہستیوں پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ ابتداء میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے آریائی ہندو، اور ہندوستان کی دیگر غیر مسلم اقوام کا تذکرہ ایسے انداز سے کیا گیا ہے کہ جو مصنف کی ان قدیم مشرک اقوام سے ذہنی وابستگی کا ثبوت دیتا ہے۔ آریاؤں اور ہندوؤں کے بتوں، مورتیوں، ان کی تہذیب و تمدن اور معاشرت کا تذکرہ کرنے کے بعد سندھ میں مسلمانوں کی آمد کے متعلق بڑے ناگوار انداز میں لکھتے ہیں:

> "عثمان بن ابی العاص نے مال غنیمت کے لالچ میں آکر سندھ پر مغیرہ بن العاص کو فوج کشی کے لئے بھیجا" ص ۱۵۱

لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد محمد بن قاسم فاتح سندھ کے حملہ کے متعلق یہ بات گول کر گئے کہ ان کی یہاں آمد کی وجہ کیا تھی، بس یہ بات لکھ دی: محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا، راجہ داھر کو شکست دی۔ حالانکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، کہ محمد بن قاسم راجہ داھر سے ان مسلمان عرب تاجروں کا بدلہ لینے آئے تھے۔ جو داھر کے دور مملکت میں قید میں بے یار و مددگار پڑے ہوئے تھے اور جن کا ل لوٹ لیا گیا تھا۔ محمد بن قاسم نے یہاں کے باشندوں سے جو سلوک کیا اور جس کی وجہ سے بڑی تعداد حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی۔ اس کے متعلق سبط حسن لکھتے ہیں:

"حجاج کی خواہش تھی کہ کوئی ایسی تدبیر نکالی جائے جس سے یہاں کے باشندے انہیں اپنا نجات دہندہ سمجھیں۔ ص ۱۵۶"

عرب مسلمان واقعی نجات دہندہ تھے، جنہوں نے سندھ کے عوام کو راجہ داہر جیسے ظالم و جابر حکمران سے نجات دی، لیکن مصنف کی نظر سے محو ہے۔ اسی صفحہ پر آگے لکھتے ہیں:

"چنانچہ حجاج نے باشندوں کو ذمی قرار دیا۔ حالانکہ اسلامی قوانین کے لحاظ سے وہ مقاتل تھے۔"

مصنف قاری کو یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ جو ملک بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، وہاں کے باشندوں کا قتل عام اسلام نے جائز قرار دیا۔ اسلام کو غیر مسلم دانشوروں اور نام نہاد سکالروں سے سیکھنے والوں کا یہی طرز فکر ہوگا ــــ صفحہ نمبر ۱۶۰ پر علماء و فقہاء کے متعلق لکھا ہوا ہے:

"جو علماء و فقہاء دربار سے وابستہ تھے، ان کا منصب ہر جائز و ناجائز فعل کے جواز میں قرآن و حدیث کے حوالے سے پیش کرنا تھا۔"

اس کے بعد معتزلہ اور ائمہ اربعہ کو ایک ہی صف میں کھڑا کیا گیا ہے۔ قرامطیوں کی "خدمات" کو سراہا گیا ہے۔ ان کے نظامِ حکومت کو اشتراکی حکومت سے مماثلت دی گئی ہے۔ ص ۱۶۶

صفحہ ۳۰۳ پر ہے:

"جس طرح آجکل کے دنیادار مولوی اپنے مخالفین کو کمیونسٹ اور دہریہ کہہ کر بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح سولہویں صدی کے علمائے دین بھی ہر ابھری ہوئی شخصیت کو مہدوی یا رافضی کہہ کر بدنام کرتے تھے ـــــ مورخوں نے مذہبی تعصب کی بناء پر قرامطیوں کو بدنام کیا۔"

مصنف کا خیال ہے۔ کہ قرامطہ کی تحریک محض سیاسی تھی، لیکن اس زمانے میں حال یہ تھا کہ کوئی تحریک مذہب کے بغیر چلائی نہیں جا سکتی تھی۔ مجدد الف ثانیؒ سید احمد شہیدؒ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ وغیرہ کی تحریکیں

بھی سیاسی مذہب کو صرف کامیابی حاصل کرنے کیلئے اپنایا گیا۔

مصنف موجودہ سیاسی شاطروں اور مجددِ الف ثانیؒ اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں، جسطرح آجکل کے سیاست دان مذہب کو اپنی سیاسی کامیابی کیلئے استعمال کرتے ہیں اور مطلب براری کے بعد ایک طرف رکھ دیتے ہیں۔ اور یہ عظیم ہستیاں بھی ایسی ہی تھیں۔

شیخ احمد سرہندیؒ سے متعلق ص۳۲۳ پر لکھتے ہیں:

"شیخ سرہندی نے اس پر بھی اکتفا نہ کیا بلکہ اپنا مرتبہ رسول صلعم اور خلفائے راشدین سے بھی بڑھا دیا۔۔۔۔۔۔ شیخ احمد مجدد الف ثانی کے غیظ و غضب کی تلوار علم و حکمت پر بھی چلتی تھی، وہ علومِ عقلیہ کو بھی مسلمانوں کے حق میں زہر قاتل خیال کرتے تھے۔۔۔۔۔ وہ جن کو مجددِ اسلام ہونے کا گھمنڈ تھا، اُن کی میٹھی زبان اور علمی لیاقت آپ نے دیکھی، وہ حضرت عیسیٰ کو افلاطون کا پیشوا اور ہم عصر سمجھ بیٹھے ہیں۔

"شیخ احمد نے اپنا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء سے بڑھا دیا" یہ کس کتاب میں لکھا ہُوا ہے۔ حوالہ نہیں دیا۔ حوالۂ کتاب ہوتا تو ہم اصل کتاب دیکھ کر سیاق و سباق کے ساتھ معلوم کر لیتے۔ لیکن وہ طلباء جن کو تاریخی و سوانحی کتب سے برائے نام دلچسپی باقی رہ گئی ہے، ایسی عبارات کو پڑھ کر اسلام اور مشاہیرِ اسلام کے بارہ میں کیا رائے قائم کریں گے۔

پھر لکھتے ہیں:

"یہی وہ سرہندی ذہنیت تھی، جس نے ۱۹ ویں صدی میں سرسید پر کفر کے فتوے لگائے اگر یہ مذموم کوشش کامیاب ہوگئی ہوتی تو برِ صغیر کے مسلمان آج مسجدوں میں اذان دینے اور میت کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے علاوہ اور کسی کام کے نہ ہوتے۔" ص۳۲۴

نیز۔۔۔ "جہانگیر کو جب شیخ صاحب کی شر انگیز سرگرمیوں کی خبر ہوئی تو اس نے شیخ کو گوالیار میں قید کر دیا۔" ص۳۲۵

شیخ صاحبؒ کی شر انگیزی کیا تھی؟ جس نے دورِ اکبری و جہانگیری کی تاریخ پڑھی ہے وہ سب جانتے ہیں۔ خدا کے سوا کسی اور کے آگے سر نہ جھکانا اگر شر انگیزی ہے، تو ہر مسلمان اس شر انگیزی کیلئے تیار ہے۔ اور مسلمانوں کی گذشتہ تاریخ گواہ ہے۔ جہاں کوئی مغرور و متکبر انسان نے خدائی یا خدائی اختیارات کا دعویٰ کیا۔ کوئی خدا کا بندہ اٹھا اور اس کی خدائی کو چیلنج کرتا۔

اس ضمن میں مصنف اُن سرکاری درباری مولویوں کو بھول گئے، جن کے کہنے پر شیخ احمدؒ کو قید کیا گیا۔

اس وقت مصنف کی نظر میں وہ قابلِ احترام اور آزاد خیال "مصلح" ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی وکالت کرنا لازم ہے، لیکن جہاں جہاں کوئی مردِ حق آگاہ اور اسلام دوست شخص تاریخ میں مصنف کو نظر آیا ہے، تہذیب و ثقافت کے پردے میں ان پر چوٹ کرنے سے دریغ نہیں کیا گیا۔ دورِ اکبری میں اکبر کی ملحدانہ پالیسیوں اور اسلام دشمن سرگرمیوں کو سراہا گیا۔ ان کو مصلح (؟) قرار دیا گیا۔ اس طرح دورِ جہانگیری میں مصنف کی ہمدردیاں جہانگیر اور ان کے درباریوں کے ساتھ ہیں۔ جبکہ اورنگ زیب عالمگیر کے دور تک آتے آتے دارالشکوہ کی مدح سرائی پر مجبور رہے۔ چنانچہ ان کے "علم و حکمت" (؟) کی داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تیموری خاندان میں دارالشکوہ سے زیادہ علم و حکمت کا شیدائی کبھی پیدا نہیں ہوا۔" ص ۳۲۲

سبط حسن کی نظر میں دارالشکوہ کی عظمت اس لئے ہے کہ وہ ہر نئی بات کو قبول کرنے والا تھا۔ وہ اسلام کے ساتھ دیگر مذاہب کو بھی مانتا تھا۔ عالمگیر ایک اسلام پسند حکمران تھا جس نے اسلامی فقہ کی تدوین کے ساتھ ساتھ اسے ملک میں جاری کرنے اور اکبری دور کی ملحدانہ پالیسیوں کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مصنف عالمگیر کی ان کوششوں کو کسی اور نظر سے دیکھنے کا عادی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"عالمگیر کے عہد میں شریعت کی سخت گیریوں کے باعث فکر و فن اور علم و ادب کے سوتے خشک ہو گئے۔" ص ۳۲۵ .... "علمی اور تہذیبی خدمات میں عالمگیری عہد کا حصہ قریب قریب صفر کے برابر ہے .... اکبری عہد مغلیہ تہذیب کے چڑھتے سورج کا عہد تھا اور عالمگیری ڈھلتے سورج کا۔" ص ۳۲۵

سندھ میں بعض داہر پرستوں نے اسلام کے خلاف جو کچھ لکھا ہے وہ سب کی نظر میں ہے۔ حکومت نے ان میں سے بعض کتابوں پر برائے نام پابندی بھی لگا دی ہے (ہزاروں کی تعداد میں فروخت ہونے کے باوجود) لیکن اسے کیا کیجئے کہ اب بھی ایسے قوم پرست یا وطن پرست حضرات قومی یا وطنی موضوعات پر لکھتے ہیں۔ اور جہاں جہاں اسلام ان کے نظریات میں سدِ راہ ہوتا ہے۔ یہ حضرات بالواسطہ طور پر اسلام ہی پر اعتراض کرتے ہیں، اگر یہ بلاواسطہ نہیں۔ سید احمد شہید، شیخ احمد سرہندی اورنگ زیب عالمگیر اس لئے ان کا نشانہ بنتے ہیں کہ انہوں نے احیائے اسلام کا بیڑا اٹھایا۔

جو طلباء اس قسم کی کتابیں پڑھیں گے، ان کے خیالات خود بخود ویسے ہوتے چلے جائیں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم علماء اور مفکرین ان موضوعات پر قلم اٹھانے کی تکلیف فرمائیں۔ یورپ کی غلامی نے ہمارے اندر ایسے "دانشور" پیدا کئے جو مسلمان نام رکھ کر وہی کچھ لکھتے اور کہتے ہیں، جس کی توقع ان کے استادوں سے ہوتی ہے ......